اَلْحَمْدُلِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیْنَ اصْطَفٰی اَمَّا بَعْدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ (العنکبوت:64)

سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُوْنَ۔ وَسَلَامٌ عَلَى الْمُرْسَلِيْنَ ۔وَالْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى اٰلِ سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّبَارِكْ وَسَلِّمْ

سفر آخرت کے مسافر:

دنیا دارالعمل اور آخرت دارالجزا ہے۔ دنیا دارالفنا ہے اور آخرت دارالبقاء ہے۔ دنیا دارالغرور ہے اور آخرت دارالسرور ہے۔ ہم سب کے سب یہاں مسافر ہیں۔ ہم خوشی کے عالم میں ہوں یا غمی کے عالم میں، صحت مند ہوں یا بیمار، مشغول ہوں یا فارغ ہوں، ہمیں احساس ہو یا نہ ہو، ہمارا سفر ہر حال میں جاری وساری ہے۔ ہر دن ہمیں منزل کے قریب سے قریب تر کر رہا ہے۔

دنیا امتحان گاہ ہے:

اس کے ساتھ ساتھ یہ دنیا امتحان گاہ بھی ہے، یہاں ہر انسان کو آزمایا جا رہا ہے۔ کسی کو پروردگار عالم نے رزق کھلا دے کر آزمائش کی، کسی کی صحت کی کیفیت میں آزمائش کی، کوئی بیماری کے حال میں آزمائش میں ہے۔ کامیاب ہے وہ انسان، جو ہر حال میں اللہ کے حکموں کو مدنظر رکھے، نبی ﷺ کی مبارک سنتوں پر عمل کرے۔ اس دنیا میں اللہ رب العزت نے ایسے جال اور پھندے بنوا دیے کہ انسان الجھ کر رہ جاتا ہے، بڑے بڑے عقلمندوں کو دھوکے لگتے ہیں۔ کہنے کو اعلیٰ تعلیم یافتہ مگر نماز کی فرصت نہیں، کہنے کو بڑے ذہین ہیں، لیکن اللہ کے گھر کا دروازہ یاد نہیں۔ ایسا عقلمند انسان اصل میں بے وقوف ہے

ان کو حقیقت سمجھ میں نہیں آتی کہ اصل کیا ہے؟ انسان وقتی لذتوں اور واہ واہ کے پیچھے ایسا الجھ جاتا ہے کہ مقصود حقیقی سے نظر ہٹ جاتی ہے۔

دو قسم کے گناہ:

گناہ دو قسم کے ہیں: کچھ گناہ جاہ سے تعلّق رکھتے ہیں اور کچھ گناہ باہ سے تعلّق رکھتے ہیں۔ جاہ: مقام اور مرتبہ کو کہتے ہیں، مثلاً: انسان چاہے کہ مجھے بڑا عالم سمجھا جائے، بڑا چودھری اور سردار سمجھا جائے، ہر کام مجھ سے پوچھ کر کیا جائے، جو صفات مجھ میں ہیں وہ کسی میں نہیں۔ اور دوسرے گناہ، باہ یعنی شہوت سے تعلّق رکھتے ہیں۔

ان دونوں میں سے جو گناہ جاہ سے تعلّق رکھتے ہیں وہ زیادہ نقصان دہ ہیں۔ عمومی طور پر جو انسان باہ کے گناہوں میں ملوث ہوتا ہے اس کے دل میں ندامت ہوتی ہے، اس کی ندامت کسی بھی وقت معافی کا سبب بن سکتی ہے لیکن جاہ کے گناہ ایسے ہیں کہ آدمی اپنے آپ کو راہ راست پر سمجھ رہا ہوتا ہے۔ خود پسندی، تکبّر جیسے گناہوں کا انسان کے اندر سے نکلنا بڑا مشکل ہے۔

تکبّر ایٹمی گناہ:

خود پسندی اور تکبّر اتنے خطرناک گناہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ نے فرمایا:

لا یدخل الجنۃ...... جنت میں وہ شخص داخل نہیں ہو سکتا جس کے اندر ذرہ برابر بھی تکبّر ہوگا۔

ذرہ انگریزی میں ایٹم (Atom) کو کہتے ہیں اس لیے یہ اٹیمی گناہ ہے۔ اٹیمی ہتھیار جس قدر تباہی پھیلا دیتے ہیں، تکبّر زندگی میں تباہی پھیلا دیتا ہے، یہ بندے کے اندر سے بڑی دیر کے بعد نکلتا ہے۔ حدیث پاک میں ہلاک کر دینے والے کاموں میں ایک بات یہ بتلائی کہ بندے کا اپنے اوپر عجب کرنا۔ نیکی کے ساتھ خود پسندی، عجب اور تکبّر چلتا رہتا ہے۔ آدمی ایک طرف پرہیز گاری کی زندگی گزارتا ہے، ذکر و شغل کی زندگی بھی گزارتا ہے، مگر دوسری طرف اپنے جیسا کسی کو نہیں سمجھتا۔ لوگوں کی نظر میں اپنے آپ کو

گرانا بہت آسان ہے، اپنی نظر میں اپنے آپ کو گرانا بہت مشکل کام ہے۔ انسان اللہ کا دوست اس وقت بنتا ہے جب اپنے آپ کو اپنی نظر میں گرا دیتا ہے۔ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ یہ دعا مانگا کرتے تھے:

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِیْ فِیْ عَیْنِیْ صَغِیْرًا وَ فِیْ اَعْیُنِ النَّاسِ کَبِیْرًا

"اے اللہ! مجھے میری نظر میں چھوٹا بنا دیجئے اور دوسری کی نظر میں بڑا بنا دیجیے"

آج کل جسے چند سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق حاصل ہوگئی وہ اپنی نیکیوں پر اتراتا پھرتا ہے۔ اس اجتماع کا مقصد خود پسندی کے بت کو توڑنا، اپنے آپ کو مٹانا ہے۔

نفس کو مارنے کا مطلب:

نفس کو مارنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کوئی زندہ چیز ہے جس کا گلا گھونٹا جائے گا بلکہ اپنے اندر کی خواہشات کو قابو میں لے آنا۔ جب نفس کو من پسند تمناؤں اور خواہشات سے روک لیں گے تو انسان کا دل خود بخود دنیا سے ٹھنڈا ہو جائے گا اور اللہ رب العزت کے ساتھ محبّت کا تعلّق زیادہ ہو جائے گا۔

دنیا کی زندگی ایک کھیل تماشہ ہے:

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّ لَعِبٌ (العنکبوت: 64) اور یہ دنیا کی زندگی نہیں ہے، مگر کھیل تماشہ۔

دنیا کی زندگی کو کھیل تماشہ سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی زندگی اور کھیل تماشے کے درمیان بہت مشابہت ہے، مثلاً:

☆...... کھیل تماشہ گھڑی دو گھڑی کی بات ہوتی ہے، دنیا کی زندگی بھی ایسی ہی ہے۔ جب انسان جانے

لگے گا تو اس وقت احساس ہوگا کہ میں دنیا میں رہا، مگر صبح کا تھوڑا وقت یا شام کا تھوڑا وقت۔ جہنمی قیامت کے دن کہیں گے کہ "ہم دنیا میں نہیں رہے مگر تھوڑی دیر" ہم خود گزری ہوئی زندگی کا تصور کر کے دیکھیں، ہمیں اپنی زندگی کے پچاس سال ایک خواب کی طرح سے نظر آتے ہیں، ایسے لگتا ہے کہ بچپن، کل کی بات ہے۔

سیدنا نوحؑ کی جب وفات ہوئی تو پوچھا گیا: اے میرے نبی! آپ نے دنیا کی زندگی کو کیسا پایا؟ انہیں کم وبیش ایک ہزار سال کی زندگی ملی تھی۔ انہوں نے جواب دیا: اے اللہ! مجھے یوں محسوس ہوا کہ ایک مکان کے دو دروازے ہیں، ایک دروازے سے داخل ہوا اور دوسرے سے نکل گیا۔

☆...... اکثر اوقات دیکھا ہے کہ جو لوگ کھیل تماشہ دیکھتے ہیں، انہیں بعد میں اپنے وقت کے ضائع ہونے پر افسوس ہوتا ہے کہ پیسے بھی ضائع کیے اور وقت بھی ضائع کیا۔ بالکل اسی طرح دنیا دار انسان موت کے وقت اپنی گزری ہوئی زندگی پر حسرت اور افسوس کرتا ہے کہ میں نے اپنی زندگی کو ضائع کر دیا۔

☆...... کئی کھیل تماشے تو ڈرامے کی مانند ہوتے ہیں، سکرین پر سائے کی مانند چلتے ہیں۔ یہ دنیا کی زندگی بھی سائے کی مانند ہے۔ انسان کو چاہیے کہ دنیا کے پیچھے بھاگنے کی بجائے اپنی آخرت بنانے کی فکر کرے۔

دنیا کیا ہے؟

جب دنیا کا نام لیا جاتا ہے تو کئی دوست اس کی حقیقت کو نہیں سمجھ پاتے، وہ یہ سمجھتے ہیں کہ دنیا سے مراد سب کچھ چھوڑ دینا اور عبادت کے لیے غار میں جا بیٹھنا ہے۔ ہرگز ایسا نہیں۔ مولانا رومؒ فرماتے ہیں:

"چیست دنیا از خدا غافل بدن" خدا سے غافل ہونے کا نام دنیا ہے۔

اللہ رب العزت سے غافل ہونے کا نام دنیا ہے۔ کام کاج کرنا، مال و دولت ہونا، بیوی بچوں کا ہونا،

اس کا نام دنیا نہیں۔ چنانچہ ایسے انبیائے کرام علیہم السّلام بھی گزرے ہیں، جو وقت کے نبی بھی تھے اور وقت کے بادشاہ بھی تھے۔ اللہ رب العزت نے ان کو دین کی شاہی بھی عطا فرمائی اور دنیا کی شاہی بھی عطا فرمائی تھی۔ عین ممکن ہے کہ ایک آدمی دیکھنے میں ارب پتی ہو لیکن اللہ کے ہاں اس کا شمار فقراء میں ہوتا ہو۔ اور عین ممکن ہے کہ ایک آدمی دیکھنے میں غریب ہو اور اللہ کے ہاں فرعون اور قارون کے ناموں میں اس کا نام بھی شامل ہو، یہ تو دل پر منحصر ہے کہ دل کے اندر کیا بھرا ہے۔

دنیا کی طالب کتے:

نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا۔

اَلدُّنْیَا جِیْفَۃٌ وَ طَالِبُوْھَا کِلَابٌ دنیا مردار ہے اور اس کے طلب کرنے والے کتے ہیں۔

ممکن ہے یہ لفظ کسی کو ذرا ثقیل لگے اس لیے کہ ابھی دنیا کی محبّت ہمارے دل میں ہے۔ جس چیز سے محبت ہو اس کی برائی کی جائے تو بری لگتی ہے مگر حدیث پاک کے الفاظ یہی ہیں۔

کتے سے تشبیہ کی وجہ:

نبی ﷺ نے کتے کے ساتھ تشبیہ کیوں دی؟ علماء نے اس کے بڑے علمی نکات بیان کئے ہیں۔ کتا بھی مردار کھاتا ہے، کوّا بھی مردار کھاتا ہے مگر دنیا کے طلبگار کو کتے سے تشبیہ دی ہے، اس میں بنیادی فرق سمجھ لیں۔

(ا)......کوے کی عادت ہے کہ جب اسے مردار نظر آئے تو شور مچاتا ہے، اوروں کو بھی بلاتا ہے تا کہ سب مل کر کھا سکیں۔ لیکن کتے کی عادت ہے کہ اس کو کہیں سے مردار مل جائے تو خاموشی کے ساتھ سارے کا سارا خود چٹ کرنا چاہتا ہے۔ دنیادار کی بھی مثال ایسی ہی ہے، وہ چاہتا ہے کہ اسے جہاں سے ملے بغیر

کسی کو پتہ چلے میں اس کو پورا سمیٹ لوں۔

(۲)......کوے کو دیکھا کہ وہ باقی مردار کا گوشت تو کھالے گا، لیکن مردہ کوا پڑا ہو تو وہ نہیں کھائے گا لیکن کتے کی عادت ہے کہ جہاں وہ باقی جانوروں کا گوشت کھاتا ہے اور اگر اسے مردار کتا بھی مل جائے تو اسے بھی کھالیتا ہے۔ دنیا دار بندہ بھی اس طرح دوسرے انسان کا مال ہضم کرنے کے داؤ پر لگا ہوتا ہے۔

(۳)......پھر دیکھا کہ کوا جہاں مرے، دوسرے کوے وہاں نہیں آتے، اس سے عبرت پکڑتے ہیں۔ چنانچہ کوے کو مار کر لٹکا دیجیے دوسرے کوے وہاں سے غائب ہو جائیں گے۔ وہ عبرت پکڑتے ہیں۔ لیکن کتا عبرت نہیں پکڑتا، ایک کتا جس جگہ مرے دوسرا اس جگہ پہنچ جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کے اندر بھی کتے کی سی بات ہے کہ وہ دوسرے کا انجام اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے، عبرت پکڑنے کی بجائے خود بھی ویسے عمل شروع کر دیتا ہے۔

(۴)......کوے کو دیکھا کہ اگر دن میں وہ مردے کے پاس ہے بھی، تو رات کو مردے کو چھوڑ کر گھونسلے میں واپس آجاتا ہے۔ مگر کتے کی یہ عادت نہیں، وہ دن میں مردے کو کھاتا ہے اور رات کو اس کا پہرہ دیتا ہے، دن میں بھی مردے کے پاس اور رات بھی مردے کے پاس۔ اور یہی دنیا دار کی بھی مثال ہے کہ سارا دن دنیا سمیٹنے میں لگا رہتا ہے اور ساری رات دنیا سمیٹنے کی پلاننگ کرتا رہتا ہے۔ سارا دن یہ دکان کے اندر اور جب رات آئی تو دکان اس کے اندر، دن رات اسی سوچ میں لگا ہوا ہے۔

(۵)......یہ بھی دیکھا گیا کہ کوا گوشت کھالیتا ہے، ہڈیوں کو کچھ نہیں کہتا لیکن کتا جہاں مردے کا گوشت کھاتا ہے وہاں اس کی ہڈیوں کو بھی چبالیتا ہے۔ دنیا دار کی مثال بھی یہی ہے کہ وہ جس سے فائدہ لیتا ہے اس سے اپنا مال ہی واپس نہیں لیتا بلکہ سود در سود واپس لیتا ہے۔

تو معلوم ہوا کہ دنیا دار کی کوے کی نسبت کتے سے مشابہت زیادہ ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے سچ فرمایا کہ واقعی دنیادار کے اندر وہی باتیں ہیں جو کسی کتے کے اندر ہوتی ہیں۔

آخرت دنیا پر مقدم ہے:

دنیا کو آخرت پر ترجیح دینا اللہ رب العزت کے ہاں بہت بڑا گناہ ہے۔ یہ پیغام پہلی کتابوں میں دیا گیا اور آخری کتاب میں بھی دیا گیا۔ اس بات کو کھول کھول کر بیان کیا گیا ارشاد فرمایا:

بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ○ وَ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰى ○ اِنَّ هٰذَا لَفِى الصُّحُفِ الْاُوْلٰى ○ (الاعلیٰ:18-16) تم دنیا کی زندگی کو ترجیح دیتے ہو، حالانکہ آخرت اس سے بہتر اور ہمیشہ رہنے والی ہے، بے شک یہی بات پہلے صحیفوں میں بھی درج ہے''

اور یہ پیغام ہم اس آخری کتاب میں ہی نہیں دے رہے، بلکہ پہلی کتابوں میں بھی یہ پیغام عطا کیا گیا۔ یہ ایسا پیغام ہے، جو انسانیت کو شروع سے لے کر آج تک مل رہا ہے۔

دنیا پر آخرت کو مقدم رکھو! اگر دنیا فنا ہونے والا سونا ہوتی اور آخرت باقی رہنے والی ٹھیکری ہوتی پھر بھی عقل کا تقاضا یہ تھا کہ ہم آخرت کو دنیا پر مقدم کر لیتے۔ جب کہ معاملہ الٹ ہے، دنیا فنا ہونے والی ٹھیکری کی مانند ہے اور آخرت باقی رہنے والے سونے کی مانند ہے۔ ہم آخرت کو بھول جاتے ہیں اور دنیا کی چاہتوں کو پورا کرنے میں لگے رہتے ہیں۔

دنیا سے کنارہ کشی کا مطلب:

دنیا سے کنارہ کشی کا مطلب یہ ہے کہ انسان دین کو دنیا پر ترجیح دے۔ جس شخص نے دین کو دنیا پر ترجیح دینا شروع کر دی اس نے گویا دنیا سے کنارہ کشی شروع کر دی۔ یہ دنیا امتحان گاہ ہے، ہر طرف جال اور پھندے ہیں، اتنے پھندے ہیں کہ انسان کو ہلاک ہونے والوں پر تعجّب نہیں ہوتا۔ تعجّب ان پر ہوتا ہے جو ان

پھندوں سے ایمان سلامت لے کر چلے جاتے ہیں کہ کتنے عظیم لوگ ہیں!

ایک بزرگ فرمایا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا بغیر محنت دینے کا وعدہ کیا ہے، ہم یہاں دنیا سمیٹنے کے لئے محنت کرتے ہیں۔ جب کہ آخرت کو محنت کے ساتھ مشروط کیا اور اس کے لئے ہم محنت ہرگز نہیں کرتے۔

طمع کے یار:

یاد رکھیے کہ اس دنیا میں سب طمع کے یار ہیں، اصل یار اللہ رب العزت ہے یا پھر اللہ کے پیارے محبوب ﷺ ہیں یا پھر جن کی زندگی ان کے نقش قدم پر گزرتی ہے، یعنی اولیاء اللہ۔ اس کے علاوہ ہر ایک کو طمع ہوتی ہے، جس وجہ سے کوئی تعلّق رکھتا ہے۔ رہ گئی بات رشتے داری اور برادری کی ان کو تو اپنے گوشت کا قیمہ بنا کر کھلا دو وہ پھر بھی خوش نہیں ہونگے۔

دنیا کی حقیقت:

انسان کا بہترین لباس، ریشم کا لباس ہے جو ایک کیڑے کی تھوک ہے۔ اور انسان کا بہترین مشروب شہد ہے جو ایک مکھی کا لعاب ہوتا ہے۔ مکھی کا لعاب شہد بنا، کیڑے کی تھوک سے ریشم بنا۔ یہ ریشم اور شہد دنیا کا بہترین لباس اور بہترین مشروب ہے۔ یہ دنیا کی حقیقت ہے جس کے پیچھے لگ کر انسان اپنے مالک کو ناراض کر لے۔ کتنا بڑا نقصان ہے! جو انسان رب کریم کو راضی کر لیتا ہے، پھر اللہ رب العزت اسے دنیا میں بھی عزتیں دیتے ہیں اور آخرت میں بھی عزتیں عطا کرتے ہیں، جو دنیا کے پیچھے بھاگنے والوں کو نہیں ملتیں۔

فقیری کا مزا شاہی میں نہیں:

دینِ اسلام میں وہ لذت ہے کہ ایسا تو ہوا کہ وقت کے بادشاہ نے شاہی چھوڑ کر مصلّٰی سنبھال لیا، فقیری

اختیار کر لی لیکن آج تک ایسا نہیں ہوا کہ باخدا فقیر نے مصلّٰی چھوڑ کر شاہی اختیار کر لی ہو، جو مزا فقیری میں ہے وہ مزا شاہی میں نہیں ہے۔

اللہ والوں کے خادم:

جو دنیا کے بادشاہ ہیں ان کے خادم عام لوگ ہوتے ہیں اور اللہ والوں کے خادم، وقت کے بادشاہ ہوا کرتے ہیں۔

سمرقند میں امیر تیمور کا مقبرہ دیکھنے کا موقع ملا، اوپر لکھا ہوا تھا ''امیرِ عالم'' (دنیا کا بادشاہ)۔ اسے اپنے وقت کا فاتحِ دنیا کہا جاتا تھا۔ ہم نے دیکھا کہ جہاں اس کی قبر تھی اس کے بالکل اوپر ایک اور قبر تھی، حیران ہو کر پوچھا کہ یہ کس کی قبر ہے؟ لوگ کہنے لگے: یہ اس کے شیخ کی قبر ہے، اس نے وصیت کی تھی کہ جب میں مروں تو مجھے اس طرح دفن کرنا کہ میرا سر میرے شیخ کے قدموں کے بالکل قریب ہو۔ یہ دنیا کا فاتح ہے۔

حضرت خواجہ محمد معصوم رحمۃ اللہ علیہ سرہند شریف میں جہاں آرام فرما رہے ہیں، وہاں ان کے مقبرے پر جائیں تو ایک کھلی سڑک جاتی ہے، راستے میں ایک قبر کی وجہ سے اس سڑک کو دو حصوں میں تقسیم کر کے پھر ایک کر دیا گیا۔ اس عاجز نے وہاں کے سجادہ نشین سے پوچھا کہ اتنی اچھی سڑک جا رہی تھی، اس قبر کی وجہ سے دو حصوں میں تقسیم ہو گئی، سڑک بعد میں بنی یا قبر بعد میں بنی؟ کہنے لگے: قبر بعد میں بنی۔ میں نے کہا: اتنی اچھی سڑک کو دو حصوں میں تقسیم کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کہنے لگے: جی بات یہ ہے کہ یہ شخص افغانستان کا بادشاہ تھا، حضرت خواجہ معصوم رحمۃ اللہ علیہ کا مرید تھا، اس نے وصیت کی تھی کہ جب میں مروں تو میرے شیخ کی قبر کو جو راستہ جاتا ہو، مجھے اس راستے پر دفن کرنا۔ اللہ اکبر!

اللہ والوں کی حکومت:

دنیا داروں کے خادم عام لوگ ہوتے ہیں۔اللہ والوں کے خادم وقت کے بادشاہ ہوا کرتے ہیں۔ بادشاہوں کی عزت وقتی ہوتی ہے، جب کہ اللہ والوں کی عزت دائمی ہوتی ہے۔ بادشاہوں کی حکومت لوگوں کے جسم پر ہوتی ہے،اللہ والوں کی حکومت لوگوں کے دلوں پر ہوا کرتی ہے۔

ایک انگریز اجمیر شریف آیا، واپس گیا تو اس نے لوگوں کو اپنے تاثرات بتائے۔کہنے لگا: میں نے زندہ لوگوں کو تو حکومت کرتے بہت دیکھا ہے، میں اس ملک میں گیا ہوں جہاں ایک مقبرے کو دیکھا کہ قبر میں پڑا شخص لوگوں کے دلوں پر حکومت کر رہا ہے۔

صبرِ جمیل اور ہجرِ جمیل:

انسان دنیا کے معاملات کو جلدی سمیٹ لیتا ہے، ایک صبرِ جمیل کے ساتھ اور ایک ہجرِ جمیل کے ساتھ۔ صبرِ جمیل کہتے ہیں کہ کوئی بھی کام ہو صبر کرلے، شکوہ نہ کرے۔اگر کسی نے دکھ دیا تو انسان اس سے شکوہ ہی نہ کرے۔ایک ہوتا ہے مقابلہ بازی کرنا، ضد بازی کرنا، جھگڑا ابڑھا لینا، مومن دنیا کی خاطر الجھا نہیں کرتا۔اگر کہیں پر کوئی تکلیف بھی پہنچے تو صبراً جمیل، صبر کرتا ہے۔اور صبر کا اجر اللہ رب العزت کے پاس ہے۔اگر بہت ہی زیادہ کوئی معاملہ ہو تو ہجرِ جمیل، کیا مطلب؟ کہ جدائی بھی ہو تو اچھے انداز سے۔آج تو تعلّقات بھی ہوتے ہیں، عداوت بھی چلتی رہتی ہے۔دشمنی کے رنگ میں ایک دوسرے کی خیر خواہی کر رہے ہوتے ہیں۔ کچھ پتہ نہیں چلتا کہ دوست کون ہے؟ اور دشمن کون ہے؟

اس دنیا میں انسان کو مختلف طرح کے امتحانات سے گزرنا ہوتا ہے، خوشی بھی امتحان ہے اور غم بھی امتحان ہے۔مگر اللہ تعالیٰ یہ چاہتے ہیں کہ اگر میرے بندے کو خوشی ملے تو میری بارگاہ میں شکر ادا کرے اور اگر اس کو کوئی غم ملے تو یہ اس پر صبر کر کے میرے نیک بندوں میں شامل ہو جائے۔شکر کرنے والا بھی جنتی اور صبر کرنے والا بھی جنتی۔

دنیا ضِدّین کا مجموعہ ہے:

اس دنیا میں انسان کو مختلف قسم کے حالات سے گزرنا پڑتا ہے بلکہ دنیا تو ہے ہی ضدین کا مجموعہ۔ علماء نے لکھا ہے کہ ضد سے چیزیں واضح ہوتی ہیں۔ مثلاً اگر دن نہ ہوتا تو رات کی قدر نہ آتی، اندھیرا نہ ہوتا تو روشنی کی قدر نہ آتی، دھوپ نہ ہوتی تو سائے کی قدر نہ آتی، بیماری نہ ہوتی تو صحت کی قدر نہ آتی، موت نہ ہوتی تو زندگی کی قدر نہ آتی۔ اسی طرح حق باطل بھی ایک دوسرے کی ضد ہیں، اللہ تعالیٰ انسان کو حق کی طرف بلاتے ہیں اور شیطان انسان کو باطل کی طرف دعوت دیتا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ انسان کس کی مان کر زندگی گزارتا ہے؟ آیا نفسانی شیطانی خواہشات کے پیچھے لگ کر زندگی گزارتا ہے یا ان خواہشات کو دبا کر اپنے مالک کی فرمانبرداری میں زندگی گزارتا ہے۔ یہ حق و باطل کی جنگ مخفی طور پر موت چلتی رہے گی۔

موت کا وقت مشکل ترین وقت:

اس لئے شیطان موت کے وقت اتنا زور لگاتا ہے جتنا وہ لگا سکتا ہے۔ موت کا وقت انسان کے لیے مشکل ترین وقت ہوتا ہے۔ اس لیے کہ شیطان اگر جیتے جاگتے ہوئے بہکا لیتا ہے تو موت کے وقت جب ہوش بھی پورا نہیں ہوتا اس وقت تو بہکانا اس کے لئے بڑا آسان ہوتا ہے۔ انسان صرف اسی صورت میں بچتا ہے جب اللہ رب العزت کی مدد شامل حال ہوتی ہے ورنہ نہیں بچ سکتا۔

حق و باطل کی کھلی نشانیاں:

قرب قیامت میں اللہ تعالیٰ حق و باطل کی کھلی نشانیاں بھی دکھائیں گے۔ مثال کے طور پر: حضرت عیسیٰؑ کا تشریف لانا اور دجال کا ظاہر ہونا یہ بھی حق و باطل کا واضح مقابلہ ہے۔ ہم اگر غور کریں تو بڑی مشابہتیں ملیں گی۔ مثال کے طور پر:

......اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو پیدا کیا، ان کی صورت بشری بنائی اور فطرت ملکوتی بنائی۔ اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے دجال کو پیدا کیا، اس کی صورت انسانی بنائی مگر فطرت شیطانی بنائی۔

......اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ کو آسمانوں میں رکھا، قرب قیامت میں ان کو ملک شام کی مسجد کے منار کے اوپر نازل فرمائیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے دجال کو پیدا کیا اور ایک جزیرے کے اندر رکھا، حدیث پاک میں اس کے لیے **یَخْرُجُ** اور "**یَظْهَرُ**" کا لفظ آتا ہے وہ ظاہر ہوگا۔

حضرت عیسیٰؑ جب پیدا ہوئے تو انہوں نے پیدا ہوتے ہی عبدیت کا دعویٰ کیا۔ جب کہ دجال جب ظاہر ہوگا، اپنی الوہیت کا دعویٰ کرے گا۔

......حضرت عیسیٰؑ کے دور میں اتنی مال میں برکت ہوگی کہ کوئی بھی زکوٰۃ لینے والا بندہ نہیں ملے گا۔ دجال آئے گا تو اس کے ساتھ اتنی مال کی بہتات ہوگی کہ دنیا کے خزانے اس کے ساتھ چلیں گے۔

......اللہ رب العزت نے عیسیٰؑ کو مردوں کو زندہ کرنے کا معجزہ عطا کیا۔ اللہ کے اذن سے دجال کو بھی یہی استدراج کے طور پر دیا جائے گا، وہ بھی مردوں کو تھوڑی دیر کے لئے زندہ کرے گا۔

......حضرت عیسیٰؑ کا پیغام پوری دنیا میں پہنچے گا، چنانچہ قرآن پاک کی آیت میں بتا دیا کہ ان کو اس وقت تک موت نہیں آئے گی جب تک کہ سب ان پر ایمان نہیں لے کر آئیں گے۔ دجال کا فتنہ بھی مشرق اور مغرب اور اور شمال اور جنوب میں پھیلے گا اس حق و باطل کی جنگ میں بالآخر فتح حضرت عیسیٰ D کی ہوگی۔ حضرت عیسیٰؑ جال کو مقام لد پر جا کر قتل فرمائیں گے۔

انسان میں حق و باطل کی مخفی جنگ:

مخفی طور پر یہ جنگ ہماری بھی ہو رہی ہے۔ زندگی میں آپ سوچیے ہر انسان کے دل پر اللہ رب العزت

نے فرشتے کو متعیّن کیا، جو اس میں خیر کے جذبے کو ڈالتا ہے۔ ایک حدیث پاک میں آتا ہے کہ شیطان بنی آدم کے دل کے اوپر ڈیرے ڈال کر بیٹھا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کو خیر کی طرف بلا رہے ہوتے ہیں، شیطان اس کو برائی کی طرف بلا رہا ہوتا ہے، اب دیکھنا یہ ہے کہ اس کے اوپر خیر غالب آتی ہے یا شر غالب آتا ہے۔ خیر غالب آئے تو اللہ رب العزت کی محبّت دل میں آجاتی ہے۔

مٹی سے مانوسیت:

یاد رکھیں! کہ مرنے کے بعد مٹی میں جانا ہے، زندگی میں ہی مٹی سے مانوس ہو جائیں۔ اپنے نفس کو خود ہی مٹا دیں۔ جو اپنے آپ کو مٹی جیسا بنائے اس کو مسکین کہتے ہیں، یہ مسکین لوگ اللہ کو زیادہ پسند ہوتے ہیں۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ ہم نبی ﷺ کی محفل میں حاضر ہوتے تو ایک دوسرے کے پیچھے چھپ کر بیٹھتے کہ کپڑے کی پھٹی ہوئی جگہ سے جو جسم ہمارا ظاہر ہے اس پر کہیں محبوب ﷺ کی نگاہ نہ پڑ جائے اوٹ میں بیٹھ جاتے تھے۔ لیکن اللہ رب العزت کے ہاں اتنا مرتبہ کہ نبی ﷺ نے بعض موقعوں پر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہوئے فقرائے مہاجرین کا تذکرہ کیا کہ اے اللہ! ان کی برکتوں سے ان دعاؤں کو قبول فرمالے۔

فقراء کی اغنیاء پر فضیلت:

جو شخص دنیا میں اللہ رب العزت سے تھوڑے رزق پر راضی ہو جائے گا، اللہ تعالیٰ اس بندے سے قیامت کے دن تھوڑے اعمال سے راضی ہو جائیں گے۔ ایک مرتبہ فقراء کی محفل تھی، نبی ﷺ نے ان سے تین باتیں فرمائیں:

اے فقراء! تم کو تین ایسی چیزیں نصیب ہیں جو دنیا میں اغنیاء کو حاصل نہیں۔ تمہیں جنت میں ایسی چیزیں اللہ تعالیٰ عطا کریں گے کہ جو چیزیں دنیا میں امیروں کو حاصل نہیں:

(۱) آپ ﷺ نے فرمایا کہ میری امت کے فقراء قیامت کے دن میری امت کے امیروں سے ۵۰۰ سال پہلے جنت میں داخل کئے جائیں گے اور وہاں کا ایک دن پچاس ہزار سال کے برابر ہے۔

(۲) فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فقراء کو تسبیح پڑھنے پر وہ اجر عطا فرمائیں گے جو مالداروں کو مال کے خرچ کرنے پر بھی نہیں ملے گا

(۳) فرمایا: قیامت کے دن جنت میں فقراء کو اتنے بلند درجے عطا فرمائیں گے کہ مالدار لوگ جنت میں ان کے محلات کو اس طرح سے دیکھیں گے جیسے دنیا میں آسمان کے ستاروں کو دیکھا کرتے ہیں۔

فقراء سے دوستی کا فائدہ:

حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ فقراء سے دوستی رکھا کرو! اس لیے کہ قیامت کے دن ان سے کہا جائے گا کہ تم سے جنہوں نے دوستی کی یا تم نے جن سے محبّت کی، تم خود بھی جنت میں داخل ہو جاؤ اور ان کو بھی ساتھ لے جاؤ۔

روایت میں آتا ہے کہ ایک فقیر سے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن فرمائیں گے کہ جنت میں داخل ہو جاؤ! وہ کھڑا رہے گا تو فرشتے پوچھیں گے کہ آپ کو تو اجازت مل گئی پھر آپ کیوں کھڑے ہیں تو وہ کہے گا کہ مجھے شرم آ رہی ہے کہ میں جنت میں چلا جاؤں اور جن لوگوں نے مجھے کھلایا پلایا وہ ابھی پیچھے ہیں، تو اللہ تعالیٰ اس بات کو پسند فرمائیں گے اور حکم دیں گے کہ جتنے لوگوں نے تم سے محبّت کا تعلّق رکھا، ان کو بھی جنت میں لے جاؤ۔

ٹھنڈا سانس سو سال کی عبادت کے برابر:

ابوسلیمان درانی رحمۃ اللہ علیہ بڑے بزرگوں میں گزرے ہیں۔ وہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک بندہ غریب ہے، اس کی ایک جائز تمنا ہے جو پوری نہیں ہوسکتی، کیونکہ اس کے پاس وسائل نہیں۔ مثلاً: ایک غریب آدمی ہے،

اولاد زیادہ مگر آمدنی کم ہے، وہ جائز تمنا پوری نہیں کر پاتا، اس وجہ سے ٹھنڈی سانس لے لیتا ہے تو ابو سلیمان درانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ جائز تمنا پوری نہ ہونے پر فقیر کا ٹھنڈا سانس لے لینا، آدمی کی سو سالہ عبادت کے برابر ہے، اللہ اس کی ٹھنڈی سانس پر اتنا اجر دیتے ہیں۔ چنانچہ حدیث پاک میں آتا ہے کہ اَفْضَلُ الْعِبَادَةِ اِنْتِظَارٌ ''مصائب کے اندر رحمت الٰہی کا انتظار کرنا، عبادتوں میں سے سب سے افضل عبادت ہے''

آپ نے دیکھا ہوگا کہ اکثر لوگ تذکرہ کرتے وقت کہتے ہیں: حضرت! بڑی دعائیں مانگتے ہیں، حالات نہیں بدلتے، پریشانیاں جان نہیں چھوڑتیں، اتنی مدت گزر گئی۔ ذرا اس حدیث کو تو سنیں! کہ جو آدمی مصائب کے اندر گرفتار ہو، دعائیں مانگتا ہو کہ اے اللہ! اس مصیبت کو ختم کر دے تو اس انتظار پر اس کو وہ اجر ملتا ہے جو عبادت کرنے والوں کو عبادت پر بھی نہیں ملتا۔ حالات، دنیا کے اعتبار سے اچھے نہ ہوں تو صبر کے ساتھ وقت گزارنے کے بعد اپنے رب کی رضا سے راضی رہیں۔ اہل دل ان کو کہتے ہیں جن کے دل میں اللہ کی محبّت ہوتی ہے، جن کے دل اللہ کی محبّت سے لبریز ہوتے ہیں اس لیے کسی غریب کو یا کسی گنہگار انسان کو کم نظر سے نہ دیکھیں! کیا پتہ وہ غریب آدمی اللہ کی نظر میں اس امیر کی نسبت زیادہ پسندیدہ ہو اور کیا پتہ وہ گنہگار آدمی ایسی توبہ کر لے کہ اللہ تعالیٰ اس کے گناہوں کو نیکیوں میں تبدیل کر دیں۔

ایک گناہ گار اور ایک عابد کا انجام:

حضرت عیسیٰؑ ایک جگہ جا رہے تھے۔ آپ نے ایک گنہگار کو دیکھا جو اپنے گناہوں پر بہت نادم اور شرمندہ تھا۔ گنہگار سے پوچھا، کہ تمہاری خواہش کیا ہے؟ کہنے لگا کہ بڑے گناہ کئے ہیں، بس یہی خواہش ہے کہ

مالک معاف فرمادے۔ذرا آگے ایک عبادت گزار کو دیکھا،عبادت گزار سے پوچھا کہ تیری کیا خواہش ہے؟اس نے اس گنہگار کی طرف اشارہ کر کے کہا: میری خواہش ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ میرا حشر نہ کرے۔۔اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ پر وحی نازل فرمادی کہ اے میرے پیارے روح اللہ! آپ ان دونوں سے کہہ دو! ہم نے ان کی دعاؤں کو قبول کرلیا۔جو گنہگار مجھ سے رحم طلب کررہا تھا میں نے اس کے گناہوں کو نیکیوں میں بدل کر اس پر جنت واجب کردی اور عبادت گزار نے دعا مانگی تھی کہ مجھے اس کے ساتھ اکٹھا نہ کرنا، چونکہ اب وہ گنہگار جنت میں پہنچ چکا ہے، اس لیے میں اس عبادت گزار کو جنت کی بجائے جہنّم میں داخل کروں گا۔لہٰذا ہمیں اپنی عبادت پر ناز نہ ہو، گناہوں سے نفرت ہو گنہگار سے نفرت نہ ہو۔

غریب کی آہ سے ڈرو:

امیروں سے نہ ڈرو، غریبوں کی آہ سے ڈرو! اس لئے کہ امیر بھاگے گا تو حاکم کے دروازے پر جائے گا اور اگر غریب نے آہ بھرلی تو وہ اللہ تعالیٰ کے دروازے کو کھٹکھٹائے گی۔اللہ رب العزت بڑے قدردان ہیں۔

ایک دفعہ سرداران قریش مکہ نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔آقائے محبوب ﷺ کی چاہت تھی کہ اگر یہ دین میں آجائیں تو اور بہت سارے لوگ دین میں آجائیں گے۔چنانچہ آپ ﷺ نے ان کو نصیحت فرمانا شروع کردی۔جب ان کو نصیحت فرمارہے تھے تو اس وقت ایک نابینا چلتا ہوا محبوب ﷺ کی خدمت میں آیا، طلبگار ہوا کہ مجھے بھی نصیحت کی جائے۔نبی ﷺ کے ذہن میں بات آئی کہ یہ تو اپنا ہے، بعد میں بھی نصیحت فرماسکتے ہیں، قریشِ مکہ تو اب آکر بیٹھے ہیں تو یہ موقع اچھا ہے۔جب اس نابینا صحابی نے اپنی بات بڑھانے کی کوشش کی تو نبی ﷺ کے دل میں کچھ رنجش پیدا ہوگئی، چہرہ مبارک پر غصے کے

تھوڑے سے آثار آئے۔ اللہ رب العزت نے ان کے بارے میں قرآن مجید میں آیات اتار دیں۔ اپنے محبوب ﷺ سے محبوبانہ خطاب فرما دیا:

عَبَسَ وَتَوَلّٰٓی ○ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰی ○ وَ مَا یُدْرِیْكَ لَعَلَّهٗ یَزَّكّٰٓی ○ اَوْ یَذَّكَّرُ فَتَنْفَعَهُ الذِّكْرٰی ○ اَمَّا مَنِ اسْتَغْنٰی ○ فَاَنْتَ لَهٗ تَصَدّٰی ○ وَمَا عَلَیْكَ اَلَّا یَزَّكّٰی ○ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ یَسْعٰی ○ وَ هُوَ یَخْشٰی ○ فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰی ○ (عبس:10)

اور وہ بندہ جو دوڑتا ہوا آپ کی طرف آیا، تیز تیز چل کر آیا۔ دیکھو طلب ہو تو ایسی کہ بندہ نیک محفل میں جائے تو تیز تیز چل کر جائے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ کیسے آیا؟ وَاَمَّا مَنْ جَآءَكَ یَسْعٰی (عبس:8) ایک تو یہ صفت کہ طلب ایسی کہ تیز تیز محفل میں آئے اور دوسری خاص صفت یہ کہ وَهُوَ یَخْشٰی (عبس:9) کہ دل کے اندر خشیت تھی، ایسے بندے کی اللہ کے ہاں بڑی قدر ہوتی ہے۔ ایسی اللہ تعالیٰ نے عزت عطا کی کہ روایات میں آیا ہے کہ اس کے بعد جب بھی وہ صحابی رضی اللہ عنہ آتے، تو اللہ تعالیٰ کے محبوب ﷺ ان کے بیٹھنے کے لیے اپنی چادر بچھا دیا کرتے تھے۔ سرداران قریش اپنی جگہ پر، مسکین، غریب، نابینا اپنی جگہ پر۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں پیمانہ ہے، دل میں خشیت ہو، طلب ہو، اللہ کی محبّت ہو، اس کی ظاہری حالت اس کی غریبوں والی بھی ہو تو اس سے اللہ تعالیٰ کے ہاں انسان کے درجے میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔

بڑے بوجھ والے لوگ:

آج پیمانے بدل گئے، جس کے پاس مال ہوتا ہے، کہتے ہیں: جی بڑے لوگ ہیں، ان کے گھر بڑے ہیں۔ کوٹھیاں ہوں تو کہتے ہیں کہ یہاں بڑے لوگ رہتے ہیں۔ ان کے دلوں میں دنیا کی بڑائی ہے، دنیا

والے ان کو بڑے لوگ کہتے ہیں۔ وہ بڑے لوگ نہیں ہوتے، وہ بڑے بوجھ والے لوگ ہوتے ہیں۔ بے چاروں کو پتہ نہیں حساب کتاب دینے میں کتنا وقت لگے گا؟۔

مالدار یا مال کے چوکیدار:

کئی لوگوں کو دیکھا کہ مالدار ہوتے ہیں اور کئی مال کے چوکیدار ہوتے ہیں۔ مالدار کون ہے؟ مالدار وہ ہے، جسے اللہ رب العزت بہت زیادہ مال دے اور وہ دونوں ہاتھوں سے اس کو دین کے کاموں میں لٹائے، یہ حقیقی مالدار ہے جو اس کو آخرت کے کاموں میں خرچ کر رہا ہے۔ اور جو جمع کرتا رہتا ہے اور خوش ہوتا رہتا ہے، یہ بندہ مالدار نہیں، مال کا چوکیدار ہے، جمع کر کے مر جائے گا۔ عیش اولاد کرے گی، قیامت کے دن حساب اِسے دینا پڑے گا۔

عزت والا کون؟

ہم دوسرے کی شخصیت میں نیکی دیکھیں تو اس کو عزت دیں، مال کی وجہ سے عزت نہ دیں۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

اِنَّ اَکۡرَمَکُمۡ عِنۡدَ اللّٰہِ اَتۡقٰکُمۡ (الحجرات:13) بے شک اللہ کے نزدیک تم میں سے عزت والا وہ ہے جو زیادہ پرہیز گار ہے۔

حدیث شریف میں آیا ہے کہ "جس بندے نے مالدار بندے کی عزت اس کے مال کی وجہ سے کی اس کے ایمان کا تیسرا حصہ ضائع ہو گیا"۔ ہماری نظر میں عزت پابندی شریعت کی ہو، نیک اعمال کی ہو۔ جس کے دل میں اللہ رب العزت کی محبّت ہو اس کی عزت ہو۔

اللہ تعالیٰ اخلاص کو دیکھتے ہیں:

جتنے اعمال ہم لوگ کرتے ہیں وہ بخشوانے کے لئے ناکافی ہیں۔ اخلاص کی کمی ان کو ناکافی بنا دیتی ہے۔ اگر اخلاص کی کمی نہ ہو تو جتنے اعمال ہم کر رہے ہیں ذکر وفکر والے، یہ بخشوانے کے لئے کافی ہیں۔ مگر چونکہ اخلاص نہیں ہوتا، ریا کاری آجاتی ہے اس لیے بڑے اعمال کے باوجود ان کا فائدہ نہیں اٹھا پاتے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں اخلاص کو دیکھا جائے گا۔ مخلص بندہ دو رکعت پڑھے گا، اتنا اجر ملے گا کہ غافل بندے کو ہزاروں رکعت پڑھنے پر بھی وہ اجر نہیں ملے گا۔ اس لیے حدیث پاک میں آتا ہے کہ ''متقی آدمی کی دو رکعت پر اللہ تعالیٰ اتنا اجر دیتے ہیں جو غیر متقی کی ہزار رکعت پر نہیں دیتے''۔ لہٰذا اگر اخلاص میں کمی ہو تو اللہ تعالیٰ کے ہاں عمل قبول نہیں ہوگا۔

اخلاص کی کمی پر اجر کی کمی:

حضرت بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ سورۃ طٰہٰ کی تلاوت کر رہے تھے، رات کو خواب میں دیکھا کہ ایک قرآن مجید ہے، جس کے اوپر سنہری حروف کے ساتھ قرآن پاک لکھا ہوا ہے۔ سورۃ طٰہٰ خواب میں بھی پڑھی، بڑے خوش ہوئے کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں سورۃ طٰہٰ کی تلاوت کا اتنا اجر لکھ دیا گیا۔ جب شوق شوق سے دیکھ رہے تھے تو ایک صفحے پر دیکھا کہ اس میں کچھ آیات کی جگہ خالی ہے۔ تو خواب میں حیران ہوئے کہ یہ جگہ خالی کیوں ہے؟ سوچتے رہے، سوچتے رہے، بالآخر اللہ تعالیٰ نے مدد فرمائی، خواب میں ہی خیال آیا کہ ہاں جب میں تلاوت کر رہا تھا، جب ان آیات پر میں پہنچا تو ایک واقف بندہ قریب سے گزرا، میرے دل میں خیال آیا کہ میری تلاوت سن کر خوش ہوا ہوگا، اتنا خیال پیدا ہونے پر اللہ تعالیٰ نے ان آیات کی تلاوت کے اجر سے محروم فرما دیا۔ پتہ یہ چلا کہ اخلاص کی کمی عملوں کے اجر کو کم کر دیتی ہے۔

وزنِ اعمال کی سائنسی توجیہہ:

اللہ تعالیٰ کے ہاں دستور ہے کہ جتنا زیادہ خلوص ہوگا اتنا اجر زیادہ ہوگا۔ آج سائنس کی دنیا ہے۔ کئی باتیں سائنس کی وجہ سے سمجھنے میں آسانی ہوتی ہیں۔ امام بخاریؒ بخاری شریف میں جو آخری حدیث لائے، اس میں انہوں نے وزنِ اعمال کا تذکرہ کیا ہے۔ چنانچہ ختم بخاری شریف کی اکثر محفلوں میں درسِ حدیث دینے والے اکثر علمائے کرام وزنِ اعمال پر خوب تفصیل سے بات کرتے ہیں کہ قیامت کے دن انسانوں کے اعمال کو تولا جائے گا۔ پہلے دور میں اشکال پیش کیا جاتا تھا کہ اعمال کیسے تولیں گے؟ کیا ان کو بھی تولا جاسکتا ہے؟ اور آج کے دور میں دیکھ لیں تھرمامیٹر کے ذریعے گرمی کو بھی تولا جاسکتا ہے، سردی کو بھی تولا جاسکتا ہے، ہوا میں موجود نمی کو بھی تولا جاسکتا۔ ہر چیز کی پیمائش کے پیمانے بن گئے ہیں کہ ان کو کیسے تولا جاسکتا ہے۔ لیکن ذرا سائنس کی بات پر غور کریں تو یہ بات آسانی سے سمجھ میں آجاتی ہے کہ اعمال کو تولا جاسکتا ہے۔

سائنسی نقطہ سے فارمولا یہ ہے کہ ایک کمیت ہوتی ہے اور ایک کشش ثقل ہوتی ہے۔ فارمولا لکھتے ہوئے کمیت کو m لکھتے ہیں اور کشش ثقل کو g لکھتے ہیں۔ m اور g کو ضرب دیتے ہیں تو کسی بھی چیز کا وزن نکل آتا ہے۔ چنانچہ اگر ایک آدمی زمین پر ہے تو زمین کی کشش ثقل کے مطابق اس کا وزن ہوگا۔ وہی آدمی اگر چاند پر چلا جائے تو چونکہ اس کی کشش ثقل وہاں کم ہوگی، اسی بندے کا وزن وہاں جا کر کم ہوگا اور وہی بندہ اگر مریخ پر چلا جائے تو وہاں کشش ثقل بہت زیادہ ہوگی، اسی بندے کا وہاں وزن کئی گنا زیادہ ہوگا۔ بندہ وہی ہے کشش کے بڑھنے سے وزن بڑھ جاتا ہے اور کشش کے گھٹنے سے وزن کم ہو جاتا ہے۔ حتیٰ کہ بندہ اگر خلاء میں چلا جائے جہاں کشش ہے ہی نہیں تو وہی جسم ہونے کے باوجود اس بندے کا وزن نہیں رہے گا۔ چنانچہ جو لوگ خلاء میں جاتے ہیں وہ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھرتے ہیں، ان کا وزن ہی نہیں ہوتا۔ حالانکہ وزن ہے لیکن کشش نہ ہونے کی وجہ سے کتنے ہلکے وزن

بن گئے تو سائنس کی اس بات سے اعمال کے وزن کی بھی توجیہہ مل جاتی ہے۔

قیامت کے دن جس بندے میں ایمان کی کشش ہوگی اس کے اعمال وزن والے ہونگے اور جس کے اندر ایمان کی کشش نہیں ہوگی پہاڑوں کے برابر بھی خیر کے اعمال کیے ہونگے، اللہ کے ہاں کوئی وزن نہیں ہوگا۔ قیامت کے دن کافروں کے عملوں کا کوئی وزن ہی نہیں ہوگا۔

فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا (الکهف:105) ہم قیامت کے دن ان کے اعمال کا کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔

یہ نہیں فرمایا کہ قیامت کے دن ان کے اعمال کو پیش نہیں کریں گے، پیش تو کریں گے، کسی کی ہمدردی کی، ہاسپٹیل بنوا دیا، یا کسی غریب کی مدد کی، یہ سب اچھے کام ہیں لیکن ان اچھے کاموں کا وزن نہیں ہوگا۔ اس لیے کہ ان کے اچھے کاموں کے اندر ایمان کی کشش نہیں ہوگی۔ جب انکی g (کشش ثقل) زیرو ہے تو پھر m کمیت ساری دنیا سے بھی زیادہ ہو جائے پھر بھی وزن زیرو ہی رہے گا، سبحان اللہ۔ دیکھیے! اللہ رب العزت نے کیسی عجیب بات فرمادی کہ ہم ان کافروں کے عملوں کا وزن ہی قائم نہیں کریں گے۔

معلوم ہوا کہ ایمان اور اخلاص یہ کشش کی مانند ہیں۔ یہ کشش ثقل (Gravitaional force) ہیں جتنی زیادہ اس کو ہم بڑھاتے جائیں گے، اسی قدر ہم اجر زیادہ پائیں گے اور اگر اخلاص اور ایمان میں کمی آتی جائے گی، اسی قدر عمل کے اجر ملنے میں کمی ہوتی جائے گی۔

اجتماع کا بنیادی مقصد:

ہمارے اس اجتماع کا بنیادی مقصد اپنی زندگی میں اخلاص کو بڑھانا ہے۔ ہر بندہ جو اس اجتماع میں حاضر

ہوا ہے،اس کو اپنی زندگی کو دیکھنا ہے کہ کیا میرا ہر کام اللہ تعالیٰ کی رضا کے مطابق ہو رہا ہے یا دنیا کی واہ واہ کے لیے ہو رہا ہے؟ یہ ایک غم ہے جو آپ اپنے دلوں میں لے کر یہاں تشریف لائے ہیں ،لہٰذا گزارش یہ ہے کہ اس قیام کے دوران دنیا کے تذکروں سے پرہیز کیجیے ۔ یہ جو دنیا کا Topic (موضوع) اتنا کھول کر بیان کیا، یہ اللہ رب العزت کو اتنی ناپسند ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا

اَلدُّ نیَا مَلْعُوْنَۃٌ دنیا ملعونہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے جب سے اسے پیدا کیا، آج تک اس کو خوشی کی نظر سے نہیں دیکھا۔ یہاں آ کر بھی اگر دنیا کے ہی تذکرے کرنے ہیں تو پھر اتنی قربانی کر کے آنے کا کیا فائدہ۔شیطان کوشش کرے گا کہ جس کمرے میں آپ مل کر بیٹھے ہیں وہ اس کمرے میں کسی کو اِدھر کی بات سنائے گا،کسی کو اُدھر کی بات سنائے گا۔ہم یہاں دنیا کے تذکرے کرنے تو نہیں آئے۔ باوجود اس کے کہ آپ ایک دوسرے کے قریب رہائش رکھتے ہیں،ایک دوسرے کے پاس بیٹھے ہیں، دنیا کے تذکرے زبان سے ختم کر دیجیے۔

اجتماع میں وقت کیسے گزاریں:

یہ جو دو دن کا وقت ہے، ان دنوں میں دلوں کو اللہ کی طرف متوجہ رکھیے۔ وقوف قلبی، رابطہ قلبی کے ساتھ اپنا وقت گزاریے۔ دن رات ایک غم لگا ہو، ایک فکر لگی ہو جیسے معتکف آدمی اعتکاف میں بیٹھتا ہے، سمجھتا ہے کہ یہ وقت میں نے اللہ کے لیے وقف کر دیا، آپ بھی گویا یہ چند دن اللہ کی طرف توجہ رکھیے۔ آپ کھانے کی طرف تشریف لے جائیں دارالعلوم میں، پھر بھی ہر وقت اللہ کی طرف دھیان رکھیے۔ کھانا کھاتے ہوئے اپنا دھیان اللہ کی طرف رکھیے، جب آپ اللہ کے دھیان میں اپنا وقت گزاریں گے تو آپ دیکھیں گے کہ تین دن میں اتنا فائدہ ہوگا کہ آپ محسوس کریں گے کہ میرے اندر سے دنیا کی طلب

گھٹ گئی ہے، اللہ رب العزت کی طلب بڑھ گئی ہے، آپ اللہ تعالیٰ کی محبّت سے بھرے ہوئے دلوں کو واپس لے کر جائیں گے۔ شیطان کوشش کرے گا کہ وہ آپ کو دنیا میں الجھائے تو اپنے آپ کو الجھنیں نہ دیجئے گا۔ اگر کوئی دنیا کی بات کرے بھی تو اسے منع فرما دیجیے۔

ذوالنون مصریؒ فرماتے ہیں۔

اَلدُّنْيَا يَوْمٌ وَلَنَا فِيْهَا صَوْمٌ دنیا ایک دن کی ہے اور ہم نے اس ایک دن میں روزہ رکھا ہوا ہے]

اور ویسے بھی یہ بڑے قیمتی دن ہیں۔ آج کی رات 15 شعبان کی رات ہوگی، اس رات میں آئندہ پورے سال کا بجٹ بنایا جاتا ہے، آسمانوں پر اس کی اہمیت ہے۔ اس وقت کو غنیمت سمجھیے، یادِ الٰہی میں گزاریے کیا معلوم کہ یہ تین دن اللہ رب العزت کے ہاں ہماری بخشش کا ذریعہ بن جائیں؟

چنے ہوئے لوگوں کا مجمع:

اجتماع میں معلوم نہیں کہاں کہاں سے دوست احباب تشریف لائے ہیں؟ اس محفل کی دعائیں قسمت سے ہمیں ایک دفعہ پھر مل گئیں کہ زندگی کے عام لمحات میں اگر ہماری دعائیں قبول ہونے کے قابل نہیں تو اس محفل میں کتنے لوگ ہیں جو اخلاص والے لوگ ہیں! بھئی! ہم گنہگار ہیں تو نیک لوگ بھی تو یہاں آئے ہوئے ہیں، کیا پتہ ان نیکوں کی برکت سے اللہ تعالیٰ ہماری دعائیں بھی قبول فرمالیں؟

الحمدللہ! دوست احباب خط لکھتے ہیں تو ان کے اوراد و وظائف اتنے اچھے ہوتے ہیں۔

ایسے لوگ بھی اس مجمعے میں ہیں جو ہزار بار کلمے کا ذکر کرتے ہیں۔

ایسے بھی ہیں جو روزانہ سات ہزار بار کلمے کا ورد کرتے ہیں۔

ایسے بھی ہیں جو روزانہ دس ہزار بار لا الٰہ الا اللہ کا ورد کرتے ہیں۔

ایسے بھی لوگ ہیں جو روزانہ ایک پارہ پڑھتے ہیں۔
ایسے بھی لوگ ہیں جو روزانہ ایک منزل پڑھتے ہیں۔
ایسے بھی لوگ ہیں جو روزانہ پندرہ پارے پڑھتے ہیں۔
اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جن کا معمول ایک قرآن پاک روز پڑھنے کا ہے،
یا وہ جانتے ہیں یا ان کا شیخ جانتا ہے،

ایسے نہیں کہ یہ اٹھ کر آ گئے ہیں۔ الحمدللہ! چنے ہوئے لوگوں کا مجمع ہے، دل میں اللہ کی محبّت ہے۔ چنانچہ ایسے بھی لوگ ہیں جن کو خواب میں نبی ﷺ کی ایک بار نہیں، دو بار نہیں درجنوں بار زیارت ہو چکی ہے۔ ایک ایسے بھی بزرگ ہیں کہ جن کو زندگی میں سو مرتبہ سے زیادہ دفعہ اللہ کے محبوب ﷺ کا دیدار ہو چکا ہے۔ ایک ایسے بھی ہمارے دوست ہیں، ابھی ملاقات نہیں ہوئی، پتہ نہیں آئے ہیں کہ نہیں، وہ اپنے حالات میں لکھتے ہیں کہ میری زندگی کا کوئی ہفتہ نبی ﷺ کے دیدار کے بغیر نہیں گزرتا۔ ایسے بھی اس مجمع میں ہیں کہ ان کی زندگی کے گیارہ سالوں میں ایک دن بھی تہجّد کی نماز قضا نہیں ہوئی۔ سب تو ایک جیسے نہیں ہیں، پانچوں انگلیاں برابر نہیں ہوتیں۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے ہمیں اس محفل میں پہنچا دیا تو ہم اس کا فائدہ اٹھائیں۔ یہ باتیں عام طور پر کی نہیں جاتیں لیکن آپ دوستوں کی ترغیب کے لیے ہے۔ تاکہ احساس ہو کہ ہم کس مجمع میں وقت گزار رہے ہیں؟

اپنے وقت کو قیمتی بنائیں:

ہم بھی اس وقت کو قیمتی بنائیں، ماں کے پیٹ سے بن کر کوئی نہیں آتا، اس دنیا میں اپنے آپ کو بنانا ہے، یہ تین دن یوں سمجھ لیں کہ ہم نے اپنے آپ کو بنانے میں وقف کر دیے ہیں۔ اگر ہمیں معمولات میں کمی کا شکوہ ہے تو اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں کہ اللہ تعالیٰ ان میں استقامت عطا فرما دیں۔ اگر ہم

اپنے نفس کے سامنے اپنے آپ کو عاجز محسوس کرتے ہیں تو تہجّد کے وقت اٹھ کر اپنے رب کے سامنے اپنی فریاد کریں۔اس طرح آپ ذوق وشوق سے وقت گزاریں گے تو رب کریم کی رحمتیں ہوں گی، دعائیں قبول ہونگی۔

ازلی دشمن سے ہوشیار!!!

ہم دو دشمنوں میں گھرے ہوئے ہیں، ایک اندرونی اور ایک بیرونی دشمن۔ ہمارا اندرونی دشمن ہمارا نفس ہے اور بیرونی دشمن شیطان ہے، یہ ازلی دشمن ہے۔شیطان ملعون ہمیں دیکھتا ہے، ہم اس دشمن کو نہیں دیکھ سکتے۔ایسا دشمن ہے کہ ہم کھانے پینے میں، ضروریات میں مشغول ہوجاتے ہیں اور وہ ہماری تاک میں رہتا ہے، کیونکہ اس کی ایسی کوئی ضروریات نہیں ہیں۔ہم سوجاتے ہیں اس کو نیند بھی نہیں آتی، وہ ہر وقت ہمیں گرانے کے لیے مکر کرتا رہتا ہے۔بعض دوستوں کو دیکھا کہ جب سونے کا وقت ہوتا ہے تو باتیں کرتے رہتے ہیں اور چونکہ رات جاگتے رہے، اس لیے جب صبح کا درس ہوتا ہے تو ان کو مراقبے کی شکل میں نیند آرہی ہوتی ہے۔اپنے انفرادی اعمال کریں، اپنی انفرادی تلاوت، اپنی تسبیحات، اپنے معمولات کو پورا کریں پھر اس کی برکتیں دیکھیں۔دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سب کے یہاں اکٹھا ہونے کو قبول فرمالے اور ہم عاجز مسکینوں کے ٹوٹے پھوٹے نیک عملوں کو قبول فرمالے اور ہم سب کی بخشش فرما دے۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ